مولانا ابوالکلام آزادؒ اور ترجمان القرآن

بشیر احمد
ریسرچ اسکالر شعبہ علوم اسلامی

ABSTRACT

The name of Molana Abul Kalam Azad will be written pages in History as one of those great indelibly across the stalwarts who struggled to win freedom of India and a great Religious scholar is Tafseer of Holy Quran "Tarjuman ul Quran". The First volume of which was issued in 1930 and the second in 1936 and he could complete Tafseer Tarjuman ul Quran till surah Almomnon it is in the form of an explanatory by foot notes and comments.

The work as it come out attracted the serious attention of scholars both in India and abroad so much so it was revised by him while he was in Ahmed Nagar jail and the second adition of it issued Molana Abul Kalam Azad, community of Holy Quran in Tarjuman Ul Quran Forms the opening section wherein a serious attempet was made to restore to the Quranec Word the meaning that it was originally meant to bear.

In this article some Quranic Stories with some other Tafseer Holy Quran. And also his own method in Tafseer Tarjuman ul Quran may All accept me a bit struggle.

مولانا آزاد کا تعارف اور خاندانی پس منظر

آپ کا نام محی الدین احمد تھا۔ اور آپ کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ پیدائش کا سن ۱۳۰۵ ہجری بمطابق ۱۸۸۸ ہے۔ اس نام کے علاوہ آپ کے مختلف نام مختلف رسائل اور کتابوں میں ملتے ہیں۔ آپ کے والد نے آپ کا تاریخی نام فیروز بخت رکھا۔

چند نام درج ذیل ہیں۔

محی الدین احمد خدا بخش نظر لکھنؤ

ابوالکلام احمد مخزن ۱۹۰۲

ابوالکلام آزاد دہلوی لسان الصدق ۱۹۰۳

احمد المکنی بابی الکلام آزاد، الہلال

احمد تذکرہ

ابوالکلام، رسالہ مسئلہ خلافت وجزیرہ عرب

ابوالکلام احمد ترجمان القرآن جلد ۱

اور مشہور نام ابوالکلام ہی رہا۔ آپ کی مادری زبان عربی ہے۔

آپ کے خاندان کا مختصر جائزہ لیا جائے تو آپ کے والد کا نام خیر الدین تھا۔ آپ کے والد کا شمار اپنے وقت کے بڑے علماء اور صوفیاء کرام میں ہوتا ہے۔

آپ کے والدین کے ہندوستان آنے کی وجہ آپ خود بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن کعبے میں آپ کے والد مولانا خیر الدین گر پڑے اور بائیں ران کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ مکہ مکرمہ میں خاطر خواہ علاج معالجہ کا بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے شہر کلکتہ علاج کے سلسلہ میں تشریف لائے۔ اور یہاں پر اپنا علاج معالجہ کروایا تو یہیں پہ سکونت اختیار کر لی۔ آپ کے والد کا انتقال تقریباً نوے سال کی عمر میں ۱۹۰۸ میں کلکتہ ہی میں ہوا۔

آپ کی والدہ محترمہ اور ننھیال اصلاً صوبہ سرحد کے رہائشی تھے۔ پھر ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ آپ کی والدہ کا انتقال ۱۸۹۹ کلکتہ ہی میں ہوا۔(۱)

مولانا کی اہلیہ محترمہ کا نام زلیخا بیگم تھا۔ آپ کی شادی ۱۹۰۷ میں ہوئی جس وقت آپ کی عمر تقریباً انیس سال تھی۔ آپ کے سسر آپ کے والد مولانا خیر الدین کے مرید تھے۔ اور مولانا خیر الدین ہی نے آپ کی اہلیہ کا نام زلیخا رکھا تھا۔(۲)

ابتدائی تعلیم:۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ آپ کی عمر پانچ سال تھی کہ حرم شریف میں بسم اللہ سے ابتداء شیخ عبداللہ نامی ایک بزرگ نے کی۔ تقریباً دو سال کے اندر ہی آپ نے قرآن کریم اپنی خالہ سے پڑھ کر ختم کر لیا تھا۔ اور ساتھ ہی سورۂ یٰسین اور سورۂ قاف کو زبانی حفظ کر لیا تھا۔(۳)

اس کے بعد آپ نے عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ ابتدائی کتابیں مثلاً خلاصہ بندی مصدر

فیوض، اجرومیہ، میزان منشعب، نحومیر، صرف میر، کافیہ، آمدنامہ، گلستان، بوستان اور کنز اپنے والد ہی سے پڑھیں۔ اور آپ نے منطق اور فقہ کی ابتدائی تعلیم بھی اپنے والد سے شروع کی۔ لیکن والد محترم اتنے بیمار ہوئے کہ تعلیم کا تسلسل جاری نہ رہ سکا۔ بعد میں آپ نے اپنے والد کے حکم پر مولوی نذیر الحسن امیٹھوی سے مطول، شمس بازغہ اور رشیدیہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور آپ نے عربی اور منطق کی تعلیم مولوی یعقوب سے حاصل کی جو کہ آپ کے والد کے مرید بھی تھے۔ قطبی، شرح ملا اور مختصر المعانی کا درس بھی انہی سے لیا۔ اسی طرح شرح وقایہ، ہدایہ، مشکوٰۃ، جلالین اور مطول یہ تمام کتب اپنے نانا سے پڑھیں۔ بیضاوی کا کچھ حصہ مولوی محمد عمر سے اور کچھ حصہ مولوی نذیر الحسن ہی سے پڑھا۔ مولانا سعادت حسین (شمس العلماء) سے شرح نخبۃ الفکر پڑھی۔

اردو کی تعلیم اگرچہ آپ نے مکہ مکرمہ میں شروع کر دی تھی۔ البتہ کلکتہ میں آپ نے اردو کی تعلیم اپنی بڑی بہن آمنہ بیگم سے حاصل کی۔ اور حافظ بخاری کے پاس بھی اردو پڑھنے جایا کرتے تھے۔ اور انگریزی کی تعلیم پڑھنے کا شوق تقریباً سولہ، سترہ سال کی عمر میں ہوا۔ جب آپ نے سرسید احمد خان کے مضامین پڑھنا شروع کیے تو آپ نے طے کر لیا کہ جدید علوم اور انگریزی پڑھنا ضروری ہے۔ آپ نے باقاعدہ کسی مدرسہ سے کوئی سند حاصل تو نہیں کی لیکن اپنی خاندانی وراثت میں وہ سب کچھ حاصل کر لیا جو کسی مدرسہ میں رہ کر حاصل کر سکتے تھے۔ (۴)

چنانچہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں: مولانا آزاد کی یہ مشکل تھی کہ نہ تو وہ کسی مدرسۂ عربی کے فارغ التحصیل اور سند یافتہ تھے۔ ان کے والد نے گھر پر ہی ان کی تعلیم کا انتظام کیا تھا۔ اور پھر ان کے علم کا حال یہ تھا کہ باضابطہ تعلیم اور اصلاتی تدریس تو مولانا کی بھی بعض مشاہیر ماضی و حال کی طرح تو کچھ زیادہ نہ تھی لیکن خدا معلوم کتنے مختلف علم اور بعد دفنون کے خزانے دماغ میں جمع ہو گئے تھے اور ہر وقت مستحضر۔ (۵)

مولانا اکبر بلیخ آبادی لکھتے ہیں: میں نے شیخ الہند سے عرض کیا کہ آپ کی رائے میں اس وقت امامت کا اہل کون ہے؟ یہ بھی اشارۃً کہہ دیا کہ بعض لوگ اس منصب کے لیے آپ کا نام لے رہے ہیں اور آپ بحمد للہ اہل بھی ہیں۔ یہ سن کر شیخ بڑی معصومیت سے مسکرائے اور فرمایا: میں ایک لمحہ کے لیے بھی تصور نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کا امام بنوں۔ عرض کیا کچھ لوگ مولانا عبدالباری صاحب کا نام لے رہے ہیں جو صوف کا تقویٰ اور استقامت مسلّم ہے۔ مگر مزاج کی کیفیت سے آپ بھی واقف ہیں۔ شیخ نے سادگی سے جواب دیا مولانا عبدالباری کے بہترین آدمی ہونے میں شبہ نہیں مگر منصب کی ذمہ داریاں کچھ اور ہی ہیں۔ عرض کیا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ شیخ نے متانت سے فرمایا کہ میرا انتخاب بھی یہی ہے۔ اس وقت مولانا آزاد کے علاوہ کوئی امام الہند نہیں ہو سکتا۔ ان میں وہ سب اوصاف جمع ہیں جو اس زمانے میں ہندوستان کے امام میں ہونا ضروری ہیں۔ (۶)

مولانا آزاد بحیثیت مصنف

آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو قوت تحریر عطا فرمائی تھی وہ اپنی مثال آپ ہے آپ کی تحریر کا رنگ ڈھنگ ہی کچھ مختلف ہے۔ آپ کی کسی بھی تحریر کو اٹھا کر پڑھنا چاہیں تو دل کرتا ہے کہ ختم کر کے ہی چھوڑیں۔ آپ کی تحریر میں جامعیت، شعور بیداری، فکر انگیزی اور

حلاوت کا رنگ بھرا ہوا ہے۔ آپ کی تصانیف اتنی مقبول عام ہوئیں کہ شاید ہی کسی اور کی تصانیف کو اس دور میں وہ مقام ملا ہو۔ آپ کی شخصیت میں تحریر کا وہ جادو تھا کہ لوگ خود بخود ان کی طرف کھنچے چلے جاتے تھے۔

چنانچہ خود آپ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "لوگ بازار میں دوکان لگاتے ہیں تو ایسی جگہ ڈھونڈ کر لگاتے ہیں جہاں خریداروں کی بھیڑ لگتی ہو۔ میں نے جس دن دوکان لگائی تو ایسی جگہ ڈھونڈ کر لگائی جہاں کم سے کم گاہکوں کا گذر ہو سکے۔(۷)

آپ کی مشہور تصانیف درج ذیل ہیں

۱۔تذکرہ	۲۔آزاد کی کہانی خود ان کی زبانی
۳۔غبار خاطر	۴۔قول فیصل
۵۔مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب	۶۔ترجمان القرآن
۷۔الہلال اور البلاغ کے مضامین	

مولانا آزاد کا قرآن کریم سے تعلق

مولانا آزاد کی سیاسی زندگی کا اتنا چرچا رہا کہ مولانا آزاد کے بہت سارے کارنامے جو سیاست سے وابستہ تھے یا صحافت اور ادب سے متعلق تھے اس پر بہت سارے حضرات نے بہت کچھ لکھا۔ لیکن مولانا کی قرآن فہمی اور تفسیر کے میدان میں وہ قدر نظر پر بہت ہی کم توجہ دی گئی ہے۔ اس کی غالباً وجہ یہی ہے کہ آپ کی سیاسی خدمات شہرہ آفاق تھیں۔ اس لیے آپ کی علمی اور قلمی خدمات خصوصاً قرآن فہمی کی گہرائیاں پوشیدہ رہیں۔

ترجمان القرآن آپ کی بے مثال تصنیف ہے۔ آپ کا علمی ذوق اور استدلالی جذبہ اگر دیکھا جائے تو ہفتہ وار اخبار الہلال اور البلاغ (جو کہ ۱۹۱۲ سے ۱۹۳۰ کے درمیان کے عرصے میں وقفے وقفے سے جاری ہوئے ہیں۔) میں نمایاں ہے۔ ان اخباروں میں آپ کا انداز تحریر نہایت عربی زدہ ہے۔ اور اسی اسلوب میں آپ مذہبی اور سیاسی موضوعات پر مدلل اور فکر انگیز تحریرات کی اشاعت کرتے ہیں۔(۸)

منازل زیست کے نشیب و فراز طے کرنے میں آپ نے قرآن کریم سے جو روشنی اور رہنمائی حاصل کی ان کے روشن نقوش آپ کی تحریروں میں جگہ جگہ نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ الہلال اور البلاغ دونوں اشاعتیں قرآنی آیات سے بھری پڑی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو قرآن کریم پر زبردست عبور حاصل تھا۔ اور آپ کے دل و دماغ پر قرآن کریم کی گرفت مضبوط تھی۔(۹)

چنانچہ سورۂ فاتحہ کے مقدمہ میں خود اس طرح وضاحت فرماتے ہیں: "کامل ستائیس برس سے قرآن کریم میرے شب و روز کے فکر و نظر کا موضوع رہا ہے۔ اس کی ایک ایک سورۃ، ایک ایک آیت، ایک ایک مقام اور ایک ایک لفظ پر میں نے وادیاں قطع کی ہیں۔ اور مرحلوں پر مرحلے طے کیے ہیں۔ تفاسیر و کتب کا جتنا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کا بڑا حصہ میری نظر سے گذر چکا ہے۔ اور علوم قرآن کے مباحث کا کوئی گوشہ نہیں جس کی طرف ذہن نے تغافل اور جستجو نے تساہل کیا ہو۔ میرا یقین ہے کہ مسلمانوں کی زندگی و سعادت کے لیے سرچشمۂ حیات حقیقت قرآنی کا ابھارنا ہے۔ اور میں نے کوشش کی ہے

کہ اس کے فہم وبصیرت کا دروازہ ان پر کھل جائے۔(۱۰)

ترجمان القرآن کا تعارف

مولانا آزاد کو قرآن کریم کے گہرے معارف وحقائق کا علم حاصل تھا۔ آپ نے اپنی تفسیر کا نام حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لقب (ترجمان القرآن) پر رکھا۔ ملت میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اسی لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اور متقدمین علماء میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ (وفات ۹۱۱ھ) نے بھی اپنی تفسیر کا نام ترجمان القرآن رکھا تھا۔(۱۱)

آپ نے قرآن کریم کی اشاعت وترجمانی کے لیے تین کتابوں کی تصنیف کا پروگرام بنایا تھا۔

۱۔ مقدمہ تفسیر۔ اس کے بارے میں آپ نے فرمایا: قرآن کے مقاصد ومطالب پر اصولی مباحث کا مجموعہ ہے۔ اور کوشش کی گئی ہے کہ مطالب قرآن کے جوامع کلیات جمع ہو جائیں۔

۲۔ تفسیر البیان۔ اس کے بارے میں فرمایا: نظر ومطالعہ کے لیے ہے۔

۳۔ ترجمان القرآن۔ بقول مصنف: قرآن کی عالمگیر اشاعت کے لیے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ: اس کی ترتیب سے مقصود یہ ہے کہ مطالب قرآنی کے فہم وتدبر کے لیے ایک ایسی کتاب تیار ہو جائے جس میں کتب تفسیر کی سی تفصیلات تو نہ ہوں لیکن وہ سب کچھ ہو جو قرآن کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔

چنانچہ ساتھ ہی اس سلسلے کی ایک اور کڑی کا تذکرہ بھی ملتا ہے جس کو خاتمہ کا نام دیا جاسکتا ہے۔ جس کے بارے میں فرمایا: ترجمان القرآن کے خاتمے میں قرآن کے فارسی، اردو اور یورپ کے تراجم کا تبصرہ کیا گیا ہے اس سے اندازہ کیا جاسکے گا کہ اس مرحلے کی مشکلات کیا تھیں؟ اور وہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے آج تک قرآن کے تراجم میں دل نشینی پیدا نہ ہو سکی ؟۔(۱۲)

تمام وضاحتوں کے باوجود افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ مقدمہ تفسیر کا کوئی پتہ لگ سکا نہ ہی تفسیر البیان کا سراغ مل سکا۔ اور ترجمان القرآن کے خاتمہ کا تو کہیں ذکر ہی نہیں سنائی دیتا۔

ان تمام تر کمشدگیوں کے باوجود خود ترجمان القرآن کی تین جلدوں کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن صد افسوس کہ تیسری جلد بھی ناپید ہے۔ صرف دو جلدیں مارکیٹ اور لائبریریوں میں میسر ہے۔

ترجمان القرآن کی تیسری جلد اس شکل میں سامنے آئی ہے کہ مولانا ابوموسیٰ منصور احمد صاحب نے الہلال اور البلاغ اور مولانا آزاد کے مضامین میں سے قرآنی آیات جمع کر کے معہ ترجمہ ومطالب کے مرتب کر دی ہے۔

مولانا حنیف ندویؒ نے اس کے مقدمہ میں لکھا ہے: اگر بارش کی ارزانیوں سے کشت فکر شگفتہ وشاداب نہیں ہوتی تو پھوار کیا کم ہے۔(۱۳)

پہلی جلد سورہ فاتحہ سے لے کر سورۃ الانعام تک ہے۔ پہلی جلد میں سورۂ فاتحہ دلنشین اور محققانہ تفصیل کے ساتھ ہے۔ باقی تقریباً ترجمہ پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

اور دوسری جلد سورۃ الاعراف سے لے کر سورۃ المومنون تک ہے۔ جو کہ قدرے تفصیل کے ساتھ ہے۔ اور چند سورتوں پر

سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ترجمان القرآن کی تحریر و اشاعت کا ارادہ

آپ نے ترجمان القرآن کی تحریر کا ارادہ ۱۹۱۵ء میں کیا۔ اور کتاب کا اعلان پہلی بار نومبر ۱۹۱۵ء میں رسالہ البلاغ کلکتہ کے صفحات پر شائع ہوا۔ اس وقت تک ترجمہ پانچ پاروں تک پہنچ چکا تھا۔ اور تفسیر سورۃ آل عمران تک مکمل ہو گئی تھی۔ لیکن مارچ ۱۹۱۶ء میں مولانا آزاد ایک سرکاری حکم کے ذریعے حدود بنگال سے نکال لیے گئے۔ اور مسلسل واقعات نے ناخوشگوار شکل اختیار کی۔ اس نے ترجمان القرآن کے مسودے کو طرح طرح کی دشواریوں سے دوچار کیا۔ اور متعدد بار کی تلاشیوں میں کتاب کے اوراق ضبط ہو کر ضائع ہوتے رہے۔

ایک مرتبہ بعض ضبط شدہ حصے پولیس کمشنر کلکتہ کے دفتر میں آتش زدگی کی نذر بھی ہوئے۔ ان دل شکن موانع کے باوجود آپ ۱۹۱۸ء تک قرآن کریم کا مکمل ترجمہ کر چکے تھے۔ لیکن متعدد بار ناموافق حالات کا سلسلہ کتاب کے مسودات اور کتابت شدہ اجزاء کو برباد کرتا رہا۔

آپ نے اس مشکل صورتحال کا تذکرہ یوں کیا ہے: یہ میرے صبر و شکیب کے لیے زندگی کی سب سے بڑی آزمائش تھی لیکن میں نے کوشش کی کہ اس میں بھی پورا اتروں۔ یہ سب سے زیادہ تلخ گھونٹ تھا جو جام حوادث نے میرے لبوں کو لگایا۔ لیکن میں نے بغیر کسی شکایت کے پی لیا۔ البتہ اس سے انکار نہیں کرتا کہ اس کی تلخی آج تک گلوگیر ہے۔ (۱۴)

ترجمان القرآن کے سلسلہ میں اس امر پہ بحث کی گئی ہے کہ آیا یہ محض ترجمہ ہے یا اسے تفسیر بھی کہا جا سکتا ہے؟

اس سلسلہ میں مولانا غلام رسول مہر نے اسے ترجمہ و تفسیر کے مابین کی ایک درمیانی شے قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر ملک زادہ اسے مفصل ترجمہ اور مجمل تفسیر تسلیم کرتے ہیں۔ (۱۵)

ترجمہ نگاری میں مولانا آزاد کا امتیازی اسلوب

حقیقت میں دیکھا جائے تو قرآن کریم کے ترجمہ کے تین طریقے ہوتے ہیں۔

(۱) ایک طریقہ یہ ہے کہ الفاظ قرآنی کا لفظی اور لغوی ترجمہ کیا جائے۔ جس کی نوبت درسی ضرورت کے تحت آتی ہے۔ جیسا کہ شاہ رفیع الدین دہلوی رحمہ اللہ کا ترجمہ قرآن ہے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بول چال کے انداز میں ربط مضمون کا لحاظ کرتے ہوئے ترجمہ کیا جائے۔ اس کی واضح مثال موضح القرآن ہے۔ جو کہ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے۔ جو کہ عام فہم ہے۔

(۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اس زبان کے خد و خال پوری طرح نمایاں ہو جائیں۔ اس کے بعد با محاورہ اور معنی خیز اور مطلب آمیز ترجمہ کیا جائے۔ یہ طریقہ کار بنیادی طور پر دوسرے طریقے کا ترقی یافتہ نمونہ ہے۔

ترجمان القرآن میں تیسرا طریقہ کار نمایاں ہے۔ ترجمہ میں اصل فرق متن سے ترجمہ کی نزدیکی یا دوری کے اعتبار سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کا اندازہ ایک ہی نص قرآنی کے درج ذیل مختلف تراجم سے لگایا جا سکتا ہے۔

یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم. (البقرہ)

حضرت شیخ الہندؒ نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا: اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے وہ احسان جو میں نے تم پر کیے۔

مولانا آزاد کے الفاظ یہ ہیں: اے بنی اسرائیل میری وہ نعمت یاد کرو جس سے میں نے تمہیں سرفراز کیا۔

دونوں ترجمے باہمی فرق کے باوجود اصل سے قریب ہیں۔ جبکہ اسی آیت کا ترجمہ تفہیم القرآن میں اس طرح کیا گیا ہے: اے بنی اسرائیل ذرا خیال کرو میری نعمت کا جو میں نے تم کو عطا کی تھی۔

اس میں (اذکروا) کا ترجمہ (ذرا خیال کرو) سے کیا گیا۔ جو آزاد ترجمانی کا کرشمہ ہے۔(۱۶)

ترجمان القرآن کے اصول وضوابط کے اشاریات

آپ نے ترجمان القرآن کی اشاعت سب سے پہلے فرمائی اور اس کے کچھ اصول اور ضابطوں کی طرف اشارات فرمائے۔ جس سے آپ کی دوراندیشی اور مدبرانہ پیش بندی کا پتہ چلتا ہے۔ وہ اصول درج ذیل ہیں۔

(۱) پہلا حصہ ان اسباب کی نشاندہی کرتا ہے جن سے احتراز کیے بغیر قرآن کریم کے مطالب معدوم ہو جاتے ہیں۔ اور قرآن فہمی کے بلند معیار کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

(۲) دوسرا حصہ سلف سے لیے گئے کچھ اہم ضابطوں کا ہے۔ لیکن ان کا بیان خارجی مؤثرات کی خلل اندازیوں میں ملتا ہے۔ حالانکہ ان کی مستقل وضاحت مطلوب تھی۔ کیونکہ تفسیر نگاری کے مثبت اصول وضوابط یہی ہیں۔(۱۷)

مولانا آزاد کے نزدیک وہ چند اسباب جو فہم قرآن میں مانع ہیں

(۱) قرآن پاک اپنے اسلوب، انداز بیان، طریق استدلال اور ہر بات میں ہمارے وضعی طریقوں کا پابند نہیں ہے۔ اور نظرت کی سیدھی سادی فکری حالت پر قانع ہے۔

(۲) روم اور ایران کے تمدن کی ہواؤں اور یونانی علوم کے تراجم نے علوم وفنون وضعیہ کا دور شروع کر دیا۔ اس وضعیت کے شوق بڑھنے سے قرآن کریم کے نظری اسلوبوں سے طبیعتیں نا آشنا ہو گئیں۔

(۳) ایک ایسا زمانہ آیا کہ جب امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ ہجری) نے تفسیر کبیر لکھی۔ اور پوری کوشش کی کہ قرآن سراپا اس مصنوعی لباس وضعیت سے آراستہ ہو جائے۔ اگر امام رازی کی نظر اس حقیقت پر ہوتی تو ان کی پوری تفسیر نہیں تو دو تہائی حصہ یقیناً بے کار ہو جاتا۔

(۴) قرآن فہمی کے لیے ان لوگوں کے فہم کو ترجیح دی جائے گی جنہوں نے خود صاحب قرآن سے مطلب سمجھا ہو۔ قرآن کا نزول بتدریج تیئیس سال میں ہوا۔ وہ جتنا بھی نازل ہوا تھا صحابہ کرام سنتے تھے اور نمازوں میں پڑھاتے تھے۔ ان میں بعض افراد خصوصیت کے ساتھ فہم قرآن میں ممتاز ہوئے۔

(۵) قرآن میں وضعیت کا اندازہ کرنے کے لیے کوئی ایک مقام منتخب کر کے اس کی تفسیر صحابہ کرام وتابعین کی روایات میں

تلاش کرو۔ پھر بعد کے مفسرین کی طرف رخ کرو۔ اور دونوں کا مقابلہ کرو تو صاف نظر آئے گا کہ صحابہ و تابعین کی تفسیر میں مطلب بالکل واضح تھا۔ بعد کے بے محل دقیقہ سنجیوں نے اسے کچھ سے کچھ بنا دیا۔ اور الجھاؤ پیدا ہو گئے۔ مثلاً سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات کی نسبت حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے (الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ) سے مقصود عرب کے اہل ایمان ہیں۔ (انزل الیک) سے اہل کتاب مراد ہیں۔ امام ابن جریر نے بھی یہی تفسیر اختیار کی۔ لیکن بعد کے مفسرین اس پر قانع نہیں ہوئے۔ اور عجیب و غریب دور از کار (بے مقصود) بحثیں پیدا کر دیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے (صدی المتکلمین) کی نشست بگڑی پھر قرآن نے تین گروہوں کی تنظیم کر کے جس بات پر زور دیا اس کی ساری خوبی اور حقیقت گم ہو گئی۔

(۶) تفاسیر میں اسرائیلیات (یعنی یہودیوں کے قصص و خرافات) متقدمین کے چھانٹنے کے باوجود داخل ہو گئے۔

(۷) چوتھی صدی ہجری کے بعد اجتہاد کا دور ختم ہو گیا۔ اور شواذ و نوادر کے علاوہ تقلید کا رواج عام ہو گیا۔ جو شخص بھی تفسیر کے لیے قدم اٹھاتا تھا کسی پیش رو کو سامنے رکھ لیتا تھا۔ اور پھر آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے پیچھے چلتا۔ کسی نے یہ نہیں سوچا کہ تقلید سے ہٹ کر اصل معاملہ کی تحقیق معلوم کی جائے۔ پھر تفسیر نویسی کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ بیضاوی اور جلالین کے حاشیے دیکھو ایک بنے ہوئے مکان کی لیپ پوت میں کس طرح قوت تصنیف رائیگاں گئی ہے۔

(۸) متداول تفسیریں اٹھا کر دیکھو جہاں پر تفسیر میں متعدد اقوال ہیں وہاں اکثر سب سے زیادہ کمزور اور بے محل قول کو ترجیح دیں گے۔

(۹) اشکال و موانع کا بڑا دروازہ تفسیر بالرائے سے کھل گیا جس کے اندیشے سے صحابہ و سلف کی روحیں لرزتی تھیں۔

آپ کے نزدیک یہ چند اشارات ہیں جن کا اختصار کے ساتھ تذکرہ ہوا۔

اس سے ہم بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں آپ کی تفسیر کے مقاصد پر گرفت کتنی مضبوط ہے۔ اور یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آپ قرون اولیٰ کو مرجع اور منبع قرار دیتے ہیں۔ اور حقیقت سے صرف نظر کر کے محض ایک دوسرے کے پیچھے پیچھے چلنے کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی تفسیر بالرائے کی ناپسندیدگی بھی مندرجہ بالا عبارات سے واضح ہے۔ (۱۸)

ترجمان القرآن کی خصوصیات

(۱) ترجمان القرآن کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے لکھا ہے کہ: ترجمان القرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس کی تمام خصوصیات کا اصلی محل اس کا ترجمہ اور ترجمہ کا اسلوب ہے۔ قرآن کے علوم و معارف کا اصلی محل جس قدر اصول و مبادیات از سر نو مدون کیے گئے ہیں وہ سب کے سب صرف اسی محل میں ڈھونڈے جا سکتے ہیں اور یہی ترجمہ ہے جس میں کتاب کی تمام خصوصیات مدفون ہیں۔

(۲) دوسری خصوصیت ترجمان القرآن کے تفسیری نوٹ ہیں۔ ان کی ہر سطر تفسیر کا ایک پورا صفحہ بلکہ بسا اوقات ایک پورے

مقالہ کے قائم مقام ہے۔

ان خصوصیات کا اظہار کیسے ہوسکتا ہے؟ مولانا آزاد فرماتے ہیں: کام کی نوعیت کا اندازہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کے جس قدر اردو، فارسی ترجمے موجود ہیں سب سامنے رکھ لیے جائیں نیز قدیم تفاسیر میں سے بھی چند مقبول و مستند تفسیریں اٹھالی جائیں۔ یا کم از کم تفسیر کبیر ہی منتخب کر لی جائے کہ تفسیری مباحث میں متاخرین کا منتہائے نظر و کاوش وہی ہے۔ پھر کم از کم کسی ایک سورۃ کا ترجمہ ترجمان القرآن میں نکال کر ایک ایک آیت کے ترجمے اور شرح کا ان سے مقابلہ کیا جائے اور پوری دقیقہ سنجی کے ساتھ دیکھا جائے کونسی بات وہاں کس شکل و نوعیت کے ساتھ آئی ہے۔ اور یہاں پر اس نے کونسی نوعیت اختیار کر لی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسے اہل نظر کہاں سے آئیں؟ اور اگر کوئی ہو بھی تو اتنی زحمت کیوں برداشت کرنے لگا؟ بہر حال زمانہ اس کا اندازہ شناس ہو یا نہ ہو مگر مؤلف نے زمانہ کی حالت کا پوری طرح اندازہ کر لیا ہے اور اول دن سے اس پر قانع ہے جو کچھ طلب ہے استفادہ و عمل کی، اعتراف و تحسین کی نہیں۔ (۱۹)

(۳) ترجمان القرآن کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ آپ ترجمہ کرکے اس کا تجربہ کرلیا کرتے تھے کہ اردو پڑھنے والے اس کو روانی سے پڑھ سکیں گے یا نہیں اور ساتھ ہی سمجھ بھی لیں گے یا نہیں؟۔

چنانچہ لکھتے ہیں: میں نے تجربہ کے لیے سورہ بقرہ کا جز و ترجمہ ایک پندرہ برس کے لڑکے کو دیا جو اردو کی آسان کتابیں روانی سے پڑھ لیتا ہو۔ پھر ہر موقع پر سوالات کر کے جانچا۔ جہاں تک مطلب سمجھ لینے کا تعلق ہے وہ ایک مقام پر بھی نہ اٹکا۔ اور تمام سوالوں کا جواب دیتا گیا۔ پھر ایک دوسرے شخص پر تجربہ کیا جس نے بڑی عمر میں لکھنا پڑھنا سیکھا ہے۔ اور ابھی اس کی استعداد اس سے زیادہ نہیں کہ اردو کے تعلیمی رسائل بآسانی پڑھ لیتا تھا۔ یہ تین جگہ تین فارسی لفظوں پر اٹکا۔ لیکن مطلب سمجھنے میں اسے بھی کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔ میں نے وہ الفاظ بدل کر نسبتًا زیادہ سہل الفاظ رکھ دیے۔ (۲۰)

(۴) ترجمان القرآن کے ترجمہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہمہ جہت وجوہ خطاب کو آپ نے اپنے خاص اسلوب کے ذریعے حتی الامکان وحی الٰہی کے خطابی اتار چڑھاؤ اور لوچ لچک کو خد و خال کی رعنائیوں سمیت ترجمہ میں مجسم دکھانے کی سعی بلیغ فرمائی ہے۔

ترجمان القرآن کی مقبولیت

آپ کی تصانیف کی مقبولیت کا اگر جائزہ لیا جائے تو یوں تو تمام کتب کو عوام میں مقبولیت حاصل ہے۔ لیکن ترجمان القرآن کے بارے میں آپ خود لکھتے ہیں: میری اردو مطبوعات میں ترجمان القرآن پہلی کتاب ہے جسے لوگوں نے اس قدر ذوق و شوق سے خریدا اور پڑھا ہو۔ (۲۲)

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں: لوگوں کا حال یہ ہے کہ اپنی شیروانی بیچ کر ترجمان القرآن خریدنا چاہتے ہیں۔

ترجمان القرآن جب چھپ کر مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے پاس آیا محدث کشمیریؒ نے غالب کا یہ شعر پڑھا، بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا پھر فرمایا کہ بائبل کی طرز پر لکھا ہے۔

مولانا احمد سعید دہلویؒ (ہندوستان کے مشہور عالم بالقرآن) فرماتے ہیں: قرآن کریم کی عربی مبین مولانا آزاد کا انتظار کر رہی تھی کہ وہ آ کر اسے اردوئے مبین میں ڈھالیں۔ ترجمان القرآن مولانا آزاد کا غیر فانی کارنامہ ہے۔(۲۱)

اسلام کے چند بنیادی عقائد اور ترجمان القرآن کا انداز بیان توحید

آپ کے ترجمہ میں ذوق توحید غالب نظر آتا ہے۔ سورۂ انفال کی آیت (۶۴) ہے

یاایھا النبیّ حسبک اللہ ومن اتبعک من المؤمنین۔

اس آیت کریمہ کا ترجمہ اکثر مفسرین نے اس طرح کیا ہے: اے نبی آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور جن مؤمنین نے آپ کا اتباع کیا ہے وہ کافی ہیں۔

حضرت تھانوی صاحبؒ نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد اور شاہ رفیع الدین بھی اسی طرف گئے ہیں۔

مولانا آزاد نے جو ترجمہ کیا ہے وہ ذوق توحید کے غلبہ کی بات ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے حق میں خدا تعالیٰ نے صرف اپنی مدد اور رفاقت کو کافی قرار دیا ہے۔ الیس اللہ بکاف عبدہٗ (الزمر) ترجمہ: کیا اللہ اپنے بندۂ خاص کے لیے کافی نہیں ہے؟۔

فان تولّوا فقل حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو ربّ العرش العظیم

اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دو کہ میرے لیے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں اسی پر میرا بھروسہ ہے۔

ترجمہ: اے پیغمبر اللہ تیرے لیے کفایت کرتا ہے اور ان مؤمنین کو بھی جو تیرے پیچھے چلنے والے ہیں۔

سورۂ انفال کی مذکورہ آیت میں اکثر مترجمین کے مطابق صحابہ کرام کی رفاقت و نصرت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت و اعانت کے ساتھ کافی قرار دیا ہے۔ اور دونوں نصرتوں کی اہمیت واضح کی ہے۔ البتہ خدا کی نصرت حقیقی نصرت ہے۔ اور عالم اسباب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدد اس کا پرتو ہے۔ اب اس میں شرک کا کوئی شک و شبہ نہیں۔ البتہ عوام کا ذہن مغالطہ میں پڑ سکتا تھا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کو غیر اللہ کی نصرت و اعانت کا بھروسہ دلایا۔

پھر آپ نے اس آیت کریمہ کے تحت حاشیہ میں لکھا ہے: اس آیت کا صحیح ترجمہ یہی ہے اگرچہ بصرہ کے ائمہ اس کے خلاف گئے ہیں۔ اور ائمہ نحو نے قریب کے عطف کو بعید پر ترجیح دی ہے۔ جس کے مطابق عوامی مغالطہ کا شبہ ظاہر کیا گیا۔(۲۲)

صفات الٰہی

مولانا آزاد نے صفات الٰہی کی تشریح میں دو مقامات پر نہایت محققانہ کلام کیا ہے۔ ایک سورۃ الفاتحہ میں اور ایک سورۃ النحل آیت نمبر (۶۰) کی تشریح میں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الذین لا یؤمنون بالاٰخرۃ مثل السوء وللہ المثل الاعلیٰ وھو العزیز الحکیم۔

(ترجمہ) بری صفات سے متصف کیے جانے کے لائق تو وہ لوگ ہیں جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے۔ رہا اللہ تو اس کے لیے سب سے برتر صفات ہیں، وہی تو سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔

آگے ایک آیت میں فرمایا:

فلا تضربوا للہ الامثال ، ان اللہ یعلم و انتم لا تعلمون.

(ترجمہ) اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو، اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

یعنی اللہ کو دنیاوی بادشاہوں اور راجوں، مہاراجوں پر قیاس نہ کرو کہ جس طرح کوئی ان مصاحبوں اور مقربین دربار کے واسطہ کے بغیر اپنی عرض معروض ان تک نہیں پہنچا سکتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے متعلق بھی تم یہ غور کرنے لگو۔

عام طور پر ان دونوں آیتوں کا یہی مطلب بیان کیا گیا ہے۔ لیکن مولانا آزاد ان آیتوں کی تشریح جس انداز سے کر رہے ہیں وہ انداز بالکل منفرد ہے۔ لکھتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے لیے یہی ہے کہ (اللہ تعالیٰ کی صفتوں کا) برا تصور کریں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لیے تو ہر اعتبار سے بلند ترین تصور ہے۔

اگلی آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں: پس دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر کے اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں نہ گھڑو، اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔

اب صفات الٰہی پر نہایت نفیس کلام کرتے ہیں: انسان کی ساری ماندگی اس راہ میں ہے کہ وہ اپنے معیار خیال کے مطابق اللہ کا تصور کرنا چاہتا ہے، وہ اس کے لیے مثالیں اور تمثیلیں تراشتا ہے اور اپنے ادراک و احساسات کے اندر رہ کر ترا شتا ہے، ذات مطلق اس دائرہ کی رسائی سے ماورا ہے۔ قرآن نے ان دو چھوٹی چھوٹی آیتوں میں خدا کی تنزیہہ، تقدیس اور پاکی کے بارے میں سب کچھ کہہ دیا ہے۔ ایک آیت اوپر والی ہے دوسری یہ ہے، (لیس کمثلہ شیء) وہ کسی چیز کی مثل نہیں ہے۔ لیکن قرآن کی تنزیہہ کا مطلب خدا کے لیے محض ایک سلبی تصور (محض نفی) دینا مقصود نہیں، کیونکہ سلبی تصور سے خدا پرستی کی زندگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ انسان وجدانی طور پر خدا کی ہستی کا یقین رکھتا ہے اور جب یقین رکھتا ہے تو ناگزیر ہے کہ اس کا تصور کرے، انسان کی پیاس اس سے نہیں بجھ سکتی کہ اسے یقین دلایا جائے کہ خدا رحمان ہے، رزاق ہے، محبت کرنے والا ہے، عزت دینے والا ہے، وہ محض ایک نفی نہیں بلکہ ایک موجود اور مثبت حقیقت ہے۔ اور اس کی صفات کمال و جمال کا ایک حسین نقش ہے۔

پھر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں: نبی و رسول کی حیثیت معلم و مربی کی ہے، اگر استاد اپنے شاگردوں کی ذہنی حالت کا لحاظ نہ کرے تو وہ اپنی تعلیم میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ (۲۳)

وحی نبوت اور اس کی ضرورت

آپ نے سورۂ فاتحہ کی آیت (اھدنا الصراط المستقیم) کی تشریح کے تحت ہدایت کے چار درجات رکھے ہیں۔

(۱) ہدایت وجدان (۲) ہدایت حواس (۳) ہدایت عقل (۴) ہدایت وحی۔

مولانا آزاد نے یہاں پر پہلی تین ہدایتوں کو انسانی راہنمائی کے لیے ناکافی قرار دے کر چوتھی اور آخری ہدایت وحی الٰہی اور

نبوت کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: اچھا اگر خدا کی ربوبیت (پرورش) کے لیے ضروری تھا کہ وہ ہمیں وجدان کے ساتھ حواس بھی دے، کیونکہ وجدان کی ہدایت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور اگر ضروری تھا کہ حواس کے ساتھ عقل بھی دے، کیونکہ حواس کی ہدایت بھی ایک حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تو کیا ضروری نہ تھا کہ عقل کے ساتھ کچھ اور بھی دے کیونکہ عقل کی ہدایت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور اعمال کی درستگی و انضباط کے لیے کافی نہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ضروری تھا۔ اور اسی لیے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت نے انسان کے لیے ایک چوتھے مرتبۂ ہدایت (ہدایت وحی) کا بھی سامان کر دیا۔ یہی مرتبۂ ہدایت ہے جسے وہ وحی و نبوت کی ہدایت سے تعبیر کرتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں وہ اللہ کی ایک خاص ہدایت کا ذکر کرتا ہے اور اسے الھدیٰ کے نام سے پکارتا ہے۔ قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ۔ اے پیغمبر ﷺ ان سے کہہ دو یقیناً اللہ کی ہدایت ہی الھدیٰ ہے۔ یعنی انسان کے لیے حقیقی ہدایت ہے۔ (۲۴)

مولانا آزاد نے وحی کے عام مفہوم اور شرعی اصطلاحی مفہوم کے درمیان واضح فرق بیان کر کے وحی شرعی اصطلاحی کی اہمیت و ضرورت کو واضح کیا ہے۔ اور دوسرے مفکرین کے ہاں وحی کے عام مفہوم پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ وحی شرعی کی اہمیت ختم ہو کر رہ گئی ہے۔

اسی وحی اور نبوت کی ضرورت پر سورۂ بنی اسرائیل کی آیت (ویدع الانسان بالشر دعاءہ بالخیر وکان الانسان عجولا۔) میں محققانہ انداز میں لکھتے ہیں: (ترجمہ) اور دیکھو! جس طرح انسان اپنے لیے بھلائی کی دعائیں مانگتا ہے، اسی طرح بسا اوقات برائی بھی مانگتا ہے۔ اور خلقیت یہ ہے کہ انسان بڑا جلد باز ہے۔

(تشریح) آیت میں انسان کی اس کمزوری کی طرف اشارہ ہے کہ وہ خیر و شر میں بسا اوقات امتیاز نہیں کرتا اور بسا اوقات شر کا اس طرح طالب ہو جاتا ہے جس طرح اسے خیر کا خواست گار ہونا چاہیے۔ یہ حالت اسے کیوں پیش آتی ہے؟ اس لیے کہ اس کی طبیعت میں جلد بازی ہے یعنی ایسی خواہشیں ہیں جو فوراً پوری ہونا چاہتی ہیں اور جب چھا جاتی ہیں تو ایک لمحہ کے لیے بھی انتظار نہیں کر سکتیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اچھائی کی طلب گاری کرتے ہوئے برائیوں کا طلب گار ہو جاتا ہے۔ اور نہیں جانتا کہ اس کی طلب گاری اسے برائیوں کی طرف لے جا رہی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اسے ایک رہنمائی کی ضرورت ہے جو خیر و شر کا امتیاز سکھائے اور خواہشوں کی ٹھوکروں سے اس کی حفاظت کرے۔ یہی رہنمائی ہدایت وحی کی رہنمائی ہے اور اسی لیے انسان ایسی رہنمائی کا بالطبع (طبعی اور فطری طور پر) محتاج ہوا۔

اسی سورۃ کی آیت نمبر (۱۹) کی تشریح میں لکھتے ہیں: آیت نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ سعادت اخروی کی شرائط کیا ہیں۔ فرمایا دو شرطیں ہیں، اول یہ کہ سعادت اخروی کے لیے کوشش کرے، لیکن کیسی کوشش؟ ویسی کوشش جو اس کے لیے صحیح کوشش ہو سکتی یعنی جو اللہ کی وحی نے بتلا دی ہے۔ دوسری یہ کہ اللہ پر اور اس کی صداقتوں پر ایمان ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کی کوئی کوشش ان دو شرطوں کے بغیر مقبول نہیں ہو سکتی۔ (۲۵)

ترجمان القرآن پر ہونے والے چند اعتراضات اور انکا تحقیقی جائزہ

(۱) ایک اعتراض سورۂ فاتحہ کے حوالے سے کیا گیا کہ مولانا آزاد نے سورۂ فاتحہ میں (ایاک نعبد) کی تفسیر چھوڑ دی۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ کیا گیا کہ مولانا نے اس سورۃ کا تحت میں نبوت و رسالت کا ذکر نہیں کیا۔ اور نجات کے لیے صرف توحید کو کافی سمجھتے تھے۔

(۳) تیسرا اعتراض یہ اٹھا کہ مولانا وحدت ادیان کے قائل تھے۔ یعنی برہمو سماج اور اکبر کے دین الٰہی کے حامی و مؤید تھے۔

(۴) چوتھا اعتراض سورۂ بقرہ کی آیت (کونوا قردۃ خاسئین) کے ترجمہ پر کیا گیا۔

توضیحات اور حقائق

(۱) پہلا اعتراض کرنے والے شیخ عبدالوہاب دہلوی ہیں۔ اور اس اعتراض کو مزید تقویت دینے میں مولانا مودودی صاحب کے سفرنامہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

جہاں تک پہلے اعتراض کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد نے اس سورۃ میں چھ عنوانات قائم کیے ہیں۔ ان چھ عنوانات میں سے پانچواں عنوان (مالک یوم الدین) ہے۔ اس عنوان کے تحت آپ نے کم و بیش ساٹھ سفحات مختصرانہ انداز میں تحریر فرمائے۔ اور اسی عنوان کے تحت (ایاک نعبد) کی اختصار کے ساتھ تفسیر فرمائی۔ اور اختصار کے باوجود اس آیت کی تشریح میں ڈیڑھ، دو صفحے تحریر ہوئے ہیں۔ البتہ (ایاک نعبد) کے لیے واضح، مستقل عنوان نہ ہونے کی وجہ سے ایک سطحی سا اعتراض کیا گیا۔

(۲) اور اگر دوسرے اعتراض کا جائزہ لیا جائے تو اس اعتراض کو مولانا کے حاسدین نے اتنا اچھالا کہ مولانا کے ساتھ عقیدت رکھنے والے علماء بھی متاثر ہوئے۔ مولانا عتیق الرحمان کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ انہوں نے مولانا آزاد کو اس طرف توجہ دلائی تو مولانا آزاد نے فرمایا: اس بحث کا موقعہ سورۂ احزاب کی آیت (ماکان محمد ...الخ) ہے۔

مولانا کے اس جواب سے ملک زادہ منظور احمد صاحب کو یہ محسوس ہوا کہ مولانا نے گویا اپنی خامی تسلیم کر لی ہے۔ اور مولانا غلام رسول مہر جیسے عقیدت مند کو بھی اس بارے میں انتشار ہوا تھا۔ اور مولانا نے اس پر تعجب کا اظہار بھی فرمایا تھا۔

حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو یہ بات بالکل عیاں ہے کہ سورۂ کا تحت نبوت و رسالت کے بیان کا مناسب محل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ جیسے مفسر عالم نے سورۂ کا تحت پر (۴۴) سفحات لکھ ڈالے، حضرت تھانویؒ سے لے کر مولانا مودودی مرحوم تک کسی مصنف کے ہاں سورۂ کا تحت میں نبوت و رسالت کی بحث نظر نہیں آتی۔ پھر تو صرف مولانا آزاد پہ نہیں بلکہ ہر مفسر پہ یہی اعتراض ہونا چاہیے تھا۔

اس کے باوجود آپ نے (ایاک نعبد) کی تشریح میں نبوت محمدیہ کے اثبات میں مختصر اور بڑی جامع تحریر فرمائی ہے۔ جس کا آخری جملہ خود اعتراض پہ اعتراض ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: کوئی شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہی نہیں ہو سکتا جب تک وہ خدا کی توحید کے ساتھ پیغمبر اسلام کی بندگی اور رسالت کا بھی اقرار نہ کرے۔ (۲۶)

(۳) جہاں تک تیسرے اعتراض کا سوال ہے تو اس کے تصفیہ کیلئے ذرا گہرائی میں جانے کی ضرورت ہے۔ یہ اعتراض کرنے والے اس دور کی معتبر شخصیات تھیں۔ البتہ اگر صاف الفاظ میں اعتراض کی وضاحت دیکھی جائے تو تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کے تاثرات میں ملے گی، جو کہ ایک معتدل مفکر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب مولانا کو ان تین شخصیات میں شمار کرتے ہیں جو ان کے نزدیک برصغیر میں دعوت قرآنی کے علمبردار ہیں۔ اور ڈاکٹر صاحب کے نزدیک مولانا آزاد دعوت قرآنی کے سلسلہ میں حضرت شیخ الہندؒ جیسی عظیم شخصیت سے خراج تحسین وصول کر چکے تھے۔

لیکن ساتھ ہی لکھتے ہیں: مزید افسوس کہ گاندھی جی کی شخصیت کے زیر اثر مولانا مرحوم وحدت ادیان کے بھی پرچارک بن گئے۔ اور اس طرح گویا ہر ہموسماج کی تقویت کا ذریعہ بن گئے۔ تاہم الہلال اور البلاغ کی دعوت اتنی بودی اور بے جان نہ تھی کہ اس طرح ختم ہو جاتی۔ چنانچہ اس کے فوراً بعد ایک دوسری فعال شخصیت کی صورت میں ظہور کر لیا۔ (اس سے ڈاکٹر صاحب کی مراد مولانا مودودی ہیں جو ان کے نزدیک مولانا آزاد کے معنوی خلیفہ ہیں۔)

اسی شمارے میں ڈاکٹر صاحب نے صفحہ نمبر (۳۳) پر لکھا کہ: عجیب مماثلت ہے کہ جس طرح راجہ رام موہن رائے (وفات ۱۸۳۳ء) نے اسلام اور مسلمانوں کی مدافعت میں تحفۃ الموحدین تالیف کی اسی طرح گاندھی جی نے مسلمانوں کی تالیف قلب کے لیے تحریک خلافت میں شمولیت اختیار کی۔ اور وحدت ادیان کے فلسفہ کو اتنا اچھالا کہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم جیسی عظیم اور نابغہ روزگار شخصیت بھی ان کے زلف گرہ گیر کی اسیر ہو گئی۔

اس پوری عبارت کو یہاں درج کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اعتراض کی وضاحت ہو جائے۔ اور ڈاکٹر صاحب کا یہ تبصرہ (جولائی، اگست) ۱۹۸۲ء کے حکمت قرآن میں شائع ہوا ہے۔ اور ۱۹۸۷ء میں اس کی دوبارہ اشاعت کی گئی ہے۔

پہلی بات یہ کہ ڈاکٹر صاحب نے مولانا آزاد کے وحدت دین کو وحدت ادیان سے تعبیر کر لیا۔ حالانکہ دونوں میں فرق اہل علم کی نظر میں واضح ہے۔

دوسری بات یہ کہ ہر ہموسماج یا اکبر کے دین الٰہی کا خلاصہ یہی ہے کہ نجات کے لیے کسی خاص مذہب کی ضرورت نہیں، اسلام ہو یا کوئی دوسرا دین دھرم، سب حق ہیں اور سب ہی نجات کی منزل کیطرف لے جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس اعتراض پر غور و فکر کرنے کے بعد جب راقم نے مولانا آزاد کے وحدت دین کے بارے میں لائحہ نظر پر غور کیا تو دو باتیں سامنے آئیں۔

(۱) مولانا آزاد کا نظریہ اس حوالے سے بالکل وہی ہے جو شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحب زادے شاہ عبدالقادر رحمہما اللہ کا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

(۲) سورۂ فاتحہ میں مولانا آزاد نے وحدت دین پر تقریباً (۵۲) سفحات تحریر کیے اور (۲۳) آیات قرآنی سے استدلال کر کے ولی الٰہی تصور کو مکمل اور منظم صورت میں پیش کیا۔ لیکن مولانا آزاد کی تحریر کا ایک مزاج ہے، کہ آپ جس موضوع پر گفتگو کرتے ہیں اس موضوع کے دائرہ کے سخت پابند ہوتے ہیں۔ اگر اصول اور اساس کی بحث ہے تو اس میں فروع اور جزئیات کی بحث نہیں ہوگی۔

مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ ڈاکٹر رضی الدین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے نقد ابوالکلام میں مولانا آزاد اور سرسید کا

موازنہ کرتے ہوئے مولانا آزاد کو انتہا پسند اور سرسید کو حقیقت پسند کہا ہے، اور لکھا ہے کہ: وحدت دین کے مسئلہ میں مولانا آزاد کی اسی انتہا پسندی نے غلط فہمیوں کو راہ دی ہے۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی اس بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں: مسخات (صفات نابا) کی بحث میں اصول کی وحدت پر اس قدر شدت کے ساتھ زور دیا گیا ہے کہ اگر قاری اس بحث کو پڑھ کر کتاب رکھ دے اور ترجمان کے دوسرے مباحث اس کے ذہن میں نہ ہوں تو وہ غلط تاثر لے کر اٹھے گا۔ لیکن اہل علم کی ذمہ داری ایک عام قاری سے زیادہ ہے، اسے ترجمان کے مکمل مطالعہ کے بعد رائے قائم کرنی چاہیے۔ (۲۷)

(۴) چوتھے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ آیت کریمہ (کونوا قردۃ خاسئین) کا ترجمہ ترجمان القرآن میں یوں ہے: جب انہوں نے ایسا کیا تو انسانیت کے درجے سے گر گئے ہم نے کہا ذلیل وخوار بندروں کی طرح ہو جاؤ۔

اس آیت کریمہ میں جمہور مفسرین کے نزدیک جسمانی مسخ ہوا ہے۔ اور یہود کا وہ طبقہ جس نے سبت کی حرمت کو توڑا اسے خدا نے بندر بنا دیا تھا۔

لیکن مولانا کے نزدیک جمہور کے برخلاف یہ جسمانی مسخ کی صورت نہیں تھی، بلکہ ذہنی اور اخلاقی مسخ اور تبدیلی کی صورت ہے۔ اور لکھتے ہیں: بندر ہو جانے کا کیا مطلب؟ ان کی صورتیں بندر کی سی ہو گئی تھیں یا دل؟ ائمہ تفسیر میں مجاہدؒ کا قول ہے۔ (مسخت قلوبھم) ان کے دل مسخ ہو گئے تھے۔ گویا مولانا نے امام مجاہدؒ کے قول کو اختیار کیا ہے۔ (۲۸)

اس بارے میں حقیقت یہ ہے یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ اور یہ مولانا کی ایک رائے ہے جو کہ امام مجاہدؒ کے موقف کی بنیاد پر ہے۔ جس کے ساتھ اتفاق کیا جانا ضروری نہیں۔

اس مذکورہ توجیہ کی مولانا تقی عثمانی صاحب (زید مجدھم) سخت تردید فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں: اس (آیت کریمہ) کا مطلب یہ ہے کہ: ان کی صورتیں مسخ کر کے انہیں واقعی بندر بنا دیا۔ ہمارے دور کے بعض لوگ اس قسم کی باتوں پر یقین کرنے کے بجائے قرآن کریم میں تاویلات بلکہ تحریفات کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

مزید فرماتے ہیں: عجیب بات یہ ہے کہ جب ڈارون کسی قطعی دلیل کے بغیر یہ کہے کہ بندر ترقی کر کے انسان بن گیا تھا تو اسے ماننے میں انہیں تامل نہیں ہوتا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے قطعی کلام میں فرمائیں کہ انسان مسخ ہو کر بندر بن گیا تو یہ حضرات شرما کر اس میں تاویل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (۲۹)

اس پورے مضمون میں اگرچہ موجودہ دور کے مؤولین ومحرفین کی تردید فرما رہے ہیں لیکن ساتھ ہی ترجمان القرآن کی اس توجیہ کی بھی صراحتاً تردید ہو جاتی ہے۔

ترجمان القرآن میں تسامح

مولانا آزاد کو اللہ تعالیٰ نے فہم وذکاوت کے ساتھ حافظہ کی قوت بھی عطا کی تھی۔ اس کے باوجود مولانا آزاد ایک انسان تھے اس لیے بشری کمزوریوں کا ظہور بعید از عقل نہیں۔

سورۂ یوسف میں ایک واضح تسامح دکھائی دیتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو سرکاری ملازم قید خانہ میں داخل ہوئے ان میں سے ایک (جو شراب ساز تھا) اپنے جرم سے بری ہونے والا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے شراب ساز سے کہا (اذکرنی عند ربک) اپنے آقا کے پاس جاؤ تو مجھے یاد رکھنا۔ یعنی اپنے آقا سے میرا حال ضرور کہہ دینا۔ لیکن جب اس نے تعبیر کے مطابق رہائی اور نجات حاصل کرلی تو شیطان نے یہ بات بھلا دی کہ اپنے آقا کے حضور پہنچ کر اسے یاد کرتا۔ پس حضرت یوسف علیہ السلام کئی برس قید خانے میں رہے۔

اس سے معلوم ہورہا ہے کہ مولانا آزاد کا وہی نقطہ نظر ہے جو اکثر مفسرین کا ہے کہ اس سے مراد اپنی رہائی کی یاددہانی ہے۔

لیکن اس آیت کے نوٹ میں لکھتے ہیں (جس سے خود اپنے موقف کی تردید ہورہی ہے) حضرت یوسف (علیہ السلام) کو جونہی یہ بات معلوم ہوئی کہ ان میں ایک آدمی بادشاہ کے ساقیوں کا سردار ہے۔ اور پھر اسی منصب پر مامور ہونے والا ہے۔ معاً ان کا ذہن اس طرف چلا گیا کہ ایسے آدمی کو جو خلوت اور جلوت میں بادشاہ کے حضور رہنے والا ہے کتنا اچھا موقع ہوگا کہ پیام حق بادشاہ کے کانوں تک پہنچادے۔ چنانچہ تعبیر کرنے کے بعد اس سے فرمایا کہ (اذکرنی عند ربک) اپنے آقا کے پاس جائیو تو مجھے یاد رکھیو اور اپنے آقا سے بعنوان مناسب اس کا تذکرہ کردیجیو ممکن ہے پیام حق کام کرجائے۔ (۳۰)

حوالہ جات

مصنف/مرتب	کتاب	صفحہ	سن اشاعت	پبلشر
(۱) ڈاکٹر خلیق انجم	مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت اور کارنامے	۴۱_۴۲	۲۰۰۵	طیب پبلشر اردو بازار لاہور
(۲) ڈاکٹر خلیق انجم	مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت اور کارنامے	۴۷_۴۸	۲۰۰۵	طیب پبلشر اردو بازار لاہور
(۳) ڈاکٹر خلیق انجم	مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت اور کارنامے	۴۷_۴۸	۲۰۰۵	طیب پبلشر اردو بازار لاہور
(۴) ڈاکٹر خلیق انجم	مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت اور کارنامے	۳۵_۳۶	۲۰۰۵	طیب پبلشر اردو بازار لاہور
(۵) قاضی اخلاق حسین	ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ	۳۳۷	۱۹۹۳	مولانا آزاد اکیڈمی نئی دہلی
(۶) قاضی اخلاق حسین	ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ	۳۳۰	۱۹۹۳	مولانا آزاد اکیڈمی نئی دہلی
(۷) ڈاکٹر خلیق انجم	مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت اور کارنامے	۳۸۱	۲۰۰۵	طیب پبلشر اردو بازار لاہور
(۸) ڈاکٹر محمد حبیب اللہ قاضی چترالی	برصغیر میں تراجم قرآن مجید کا تنقیدی جائزہ	۳۹۷	۲۰۰۷ (ستمبر)	زمزم پبلشر کراچی
(۹) ڈاکٹر خلیق انجم	ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ	۳۱۳	۲۰۰۵	طیب پبلشر اردو بازار لاہور
(۱۰) ابوالکلام آزاد	ترجمان القرآن جلد (۱)	تفسیر ام الکتاب	ندارد	اسلامی اکیڈمی اردو بازار لاہور
(۱۱) قاضی اخلاق حسین	ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ	۲۵_۲۶	۱۹۹۳	مولانا آزاد اکیڈمی نئی دہلی
(۱۲) ابوالکلام آزاد	ترجمان القرآن جلد (۲)	۴۲_۴۶	ندارد	اسلامی اکیڈمی اردو بازار لاہور

(۱۳) قاضی اخلاق حسین	ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ	۲۵	۱۹۹۳	مولانا آزاد اکیڈمی نئی دہلی
(۱۴) ڈاکٹر خلیق انجم	مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت اور کارنامے	۳۱۶_۳۱۷	۲۰۰۵	طیب پبلشرز اردو بازار لاہور
(۱۵) قاضی اخلاق حسین	ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ	۲۷_۲۸	۱۹۹۳	مولانا آزاد اکیڈمی نئی دہلی
(۱۶) محمد علی فاروق	مولانا آزاد بحیثیت مفسر قرآن با زاویۂ نسواں	۲۳	نامعلوم	مکتبہ اخوت اردو بازار لاہور
(۱۷) محمد علی فاروق	مولانا آزاد بحیثیت مفسر قرآن با زاویۂ نسواں	۳۶	نامعلوم	مکتبہ اخوت اردو بازار لاہور
(۱۸) ڈاکٹر محمد حبیب اللہ قاضی چترالی	برصغیر میں قرآن فہمی کا تنقیدی جائزہ	۲۰۰_۲۰۲	۲۰۰۷ (ستمبر)	زمزم پبلشرز کراچی
(۱۹) ڈاکٹر خلیق انجم	مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت اور کارنامے	۳۱۹_۳۲۰	۲۰۰۵	طیب پبلشرز اردو بازار لاہور
(۲۰) ڈاکٹر محمد حبیب اللہ قاضی چترالی	برصغیر میں قرآن فہمی کا تنقیدی جائزہ	۲۰۲	۲۰۰۷ (ستمبر)	زمزم پبلشرز کراچی
(۲۱) قاضی اخلاق حسین	ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ	۲۵_۲۷	۱۹۹۳	مولانا آزاد اکیڈمی نئی دہلی
(۲۲) قاضی اخلاق حسین	ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ	۱۸۹	۱۹۹۳	مولانا آزاد اکیڈمی نئی دہلی
(۲۳) قاضی اخلاق حسین	ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ	۱۱۰	۱۹۹۳	مولانا آزاد اکیڈمی نئی دہلی
(۲۴) قاضی اخلاق حسین	ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ	۹۲_۹۳	۱۹۹۳	مولانا آزاد اکیڈمی نئی دہلی
(۲۵) قاضی اخلاق حسین	ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ	۸۱_۸۲	۱۹۹۳	مولانا آزاد اکیڈمی نئی دہلی
(۲۶) قاضی اخلاق حسین	ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ	۵۵_۵۹	۱۹۹۳	مولانا آزاد اکیڈمی نئی دہلی
(۲۷) قاضی اخلاق حسین	ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ	۷۱_۷۹ (خلاصہ)	۱۹۹۳	مولانا آزاد اکیڈمی نئی دہلی
(۲۸) ابوالکلام آزاد	ترجمان القرآن جلد (۲)	الاعراف آیت (۱۹۰)	ندارد	اسلامی اکیڈمی اردو بازار لاہور
(۲۹) محمد تقی عثمانی مفتی	آسان ترجمہ قرآن	۵۰۱	۲۰۱۱ (فروری)	مکتبہ معارف القرآن کراچی
(۳۰) قاضی اخلاق حسین	ترجمان القرآن کا تحقیقی مطالعہ		۲۷۹_۲۸۰	